



JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 02, January –June 2021

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

علوم القرآن میں علم الآثار سے استشہاد کی اہمیت اردو تفاسیر کی روشنی میں

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies: In the Light of Urdu Exegeses

*Hafiz Muhammad Saeed**

Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Gov. Islamia College, Railway road, Lahore.

*Usama Siddiqui***

Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Gov. Islamia College, Railway road, Lahore.

Abstract

In Urdu exegetic literature, evidences have been taken, when needed, from the signs of the cursed nations. If the mufassirin get some authentic archaeological information about these remaining signs, they include the same in their exegesis. They also seem to be taking evidences from the latest research in the field of archaeology. As in today's world archaeology has assumed the role of a proper science, its research and archaeological support cannot be ignored or undervalued. And in such debates, the role of archaeology emerges as the servant of the Quran. In the contemporary world archaeology, by using the latest technology, has helped locate and analyse the details about the cursed land of the Prophet Lot (AS) and the overturned towns in the seabed. In this way, the clear statements and orders of the Quran have been authenticated word for word. This authentication is a source of evidence for many mufassirin especially the Urdu mafassirin. In this way, the scientific help provided by archaeology brings the truths upheld by the Quran to light.

This evidence has facilitated a best exegesis of the archaeological places mentioned in the Quran. By employing the insights and evidences provided by the modern archaeology, the mufassirin have uncovered for the mankind different aspects of the Quran loaded with visual proofs carrying reproof and warning.

Keywords: archaeology, Quran, Urdu Tafaasir.



Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies: In the Light of Urdu Exegeses

پس منظر: اردو کا تفسیری ادب اپنے پہلو میں وقیع علمی اضافوں کا قیمتی ذخیرہ لیے ہوئے ہے۔ اگرچہ اردو زبان کی قدامت کچھ زیادہ نہیں لیکن اسلام کی تشریح و توضیح اور تفہیم دین میں اس زبان کی خدمات، کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے بے مثال ہیں۔ اردو کے تفسیری ادب میں دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ عصری تحقیقات سے استفادہ اور استشاد اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔ علمائے راسخین کی ایسی تفاسیر ہیں جن میں علم و وحی کی برتری کو مان کر دیگر عصری علوم بالخصوص علم الآثار سے استفادہ و استشاد کیا گیا ہے۔

اس خطے میں انگریزی استعمار نے جب سیاسی سرپرستی میں عیسائی مشنریز اور مستشرقین کے ذریعے اسلام کو مورد اعتراض بنایا تو اس کے دو خصوصی ہدف تھے ایک قرآن اور دوسرے صاحب قرآن ﷺ۔ اس کے جواب میں علماء میدان میں آئے اور اپنی استعداد کے مطابق ان اعتراضات کا مؤثر جواب دیا۔ اس تناظر میں مفسرین نے فیصلہ کیا کہ جدید مغربی علوم بشمول آرکیالوجی سے فہم قرآن میں استفادہ کیا جائے۔ اور بالخصوص قصص قرآنی کے ذیل میں علم الآثار کی دریافتوں اور سائنسی طرز فکر سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ اردو مفسرین کی ایک معقول تعداد نے آرکیالوجی سے استفادہ کیا۔ اس استفادے کے مرحلے کو طے کرنے کے بعد فہم قرآن میں ان آثاری شواہد سے استشاد کا رجحان پیدا ہوا۔

اس طرح سے قرآن مجید کے مخصوص مقامات کی توضیح میں صداقت قرآنی کو علم الآثار کے شواہد (Archaeological Evidence's) اور مؤیدات میسر آنے لگے۔ پھر بتدریج علم الآثار سے استشاد علمی روایات میں بدل گیا۔ اور یوں علم الآثار کو علوم القرآن کی صف میں خادم قرآن ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ قوم نوحؑ سے لے کر قوم فرعون اور نعلش فرعونؑ کے آثار مغضوبہ کو سائنسی اور فنی بنیادوں پر سمجھانے کے لیے اس علم سے استشاد ضروری قرار دیا۔ زبر بحث عنوان کے تحت اردو کے تفسیری ادب میں علم الآثار سے استشاد کے شواہد پیش کیے جا رہے ہیں۔ جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمارے جلیل القدر اردو مفسرین نے کسی ذہنی مرعوبیت اور جدید علوم سے بے جانفرت کیے بغیر کس طرح استفادہ کیا۔ اور اس علم کو علوم و وحی کی تائید میں بطور دلیل و استشاد کے پیش کیا۔

۱۔ قوم نوحؑ:

اللہ نے انسان کو فطرت توحید پر پیدا کیا ہے۔ حضرت آدمؑ سے ہزار سال تک انسانیت اس ہدایت الہی پر مضبوطی سے قائم رہی۔ اس کے بعد شرک کے جراثیم ان کے بڑوں کے نام پر ان میں سرایت ہو گئے اور بالآخر ان تماثل کو بالواسطہ معبود کا درجہ مل گیا۔ بت پرستی کا مرض ان میں شدید تھا اور چھوٹے چھوٹے قبائل کے نام پر علیحدہ علیحدہ بت تھے۔ ان کے ہاں بتوں کی اس قدر کثرت تھی کہ ان کے موسوم کیے ہوئے بت ہی پورے عرب میں پھیل گئے۔ شرک کی گرم بازاری انہیں کی وجہ سے تھی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ان کے بتوں کی قبائل عرب کے ہاں جو تقسیم تھی، اس سے آگاہ فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، «صَارَتِ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدَ أَمَّا وَدَّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ، وَأَمَّا سَوَاعٌ كَانَتْ لِهَذِيلٍ، وَأَمَّا يَغُوثٌ فَكَانَتْ لِرَادٍ، ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالْجَوْفِ، عِنْدَ سَبَا، وَأَمَّا يَغُوثٌ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَأَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِأَلِ ذِي الْكَلَاعِ، أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ،

فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ، أَنْ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمْ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَمُّوْهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوا، فَلَمَّ نُعْبَذْ، حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَتَدَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ¹

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: قومِ نوحؑ کے بت بعد میں عرب میں تقسیم ہوئے، جہاں تک ”ود“ ہے تو وہ دوتہ الجندل میں بنو کلب کا تھا، اور ”سواع“ بنو ندیل کا تھا، اور ”یعوث“ شروع بنو مراد کا تھا، ان کے بعد علاقہ سبأ کے نزدیک مقام جوف میں بنی غطف کا تھا۔ اور ”یعوق“ نامی بت بنو ہمدان کا تھا۔ اور ”نسر“ نامی بت حمیر، ذوالکلاع کا تھا۔ یہ قوم نوحؑ کے نیک لوگوں کے نام ہیں، جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کے قوم یہ بات بھائی کہ اپنے مجالس میں بت نصب کر کے ان کے نام ان نیک لوگوں کے ناموں پر رکھ دیں، انہوں نے ایسے ہی کیا لیکن ان کی عبادت نہ کی گئی۔ یہاں تک جب وہ لوگ مر گئے اور علم ختم ہو گیا تو پھر ان کی عبادت بھی شروع ہو گئی۔)

حضرت نوحؑ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ اللہ نے ان کو اپنی قوم کے نظریہ توحید کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا۔ حضرت نوحؑ کی تبلیغی مساعی ساڑھے نو سو سال جاری رہی اور یہ قوم اعراض عن الحق اور استخفافِ نوحؑ سے باز نہ آئی۔ اس قوم کو اللہ نے طوفان کے عذاب سے دوچار کیا²۔

(الف) کشتیِ نوحؑ کے آثار:

علمِ آثار (Archaeology) کے حوالے سے ہمارے سامنے دو سوال ہیں: ایک کیا حضرت نوحؑ کی کشتی کے کوئی آثار باقیہ سلامت ہیں؟ دوسرا یہ کہ عہدِ نوحؑ کا یہ طوفان قومِ نوح کے علاقے تک خاص و محدود تھا یا کہ تمام کرۂ ارض تک اس کا پھیلاؤ اور محیط تھا؟ اس ضمن میں علمِ آثار ہی تاریخی مغالطوں کو دور کر کے ہماری بنیادی راہنمائی کرتا ہے۔ اس بحث میں مفسرینِ کرام نے مختلف دلائل اور قرائن کی بنیاد پر اپنی آراء قائم کی ہیں۔

حضرت نوحؑ کی کشتی اور جودی پہاڑ کے آثار کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

”حضرت نوحؑ کا ظہور اس سر زمین میں ہوا تھا جو جلد اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ جلد اور فرات آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلے ہیں اور بہت دور الگ الگ بہہ کر عراقِ زیریں میں باہم مل گئے ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ آرمینیا کے یہ پہاڑ ”ارارات“ کے علاقہ میں واقع ہیں۔ اسی لیے انہیں تورات میں ”ارارات کا پہاڑ“ کہا ہے لیکن قرآن نے خاص اس پہاڑ کا ذکر کیا جس پر کشتی ٹھہری تھی وہ ”جودی“ تھا۔

زمانہ حال کے بعض شارحینِ تورات کے خیال میں ”جودی“ اس سلسلہ کوہ کا نام ہے جس نے ارارات اور جارجیا کے سلسلہ ہائے کوہ کو ملا دیا ہے وہ کہتے ہیں۔ سکندر کے زمانے کی یونانی تحریرات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کم از کم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ آٹھویں صدی مسیحی تک وہاں ایک معبد موجود تھا اور لوگوں نے اس کا نام ”کشتی کا معبد“ رکھ دیا تھا۔³ یعنی سلسلہ کوہِ ارارات بھی برصغیر کے سلسلہ کوہِ ہمالیہ کی طرح ہے جس کے اندر متعدد چوٹیاں ہیں جیسے نانگا پربت وغیرہ۔ اسی طرح سلسلہ کوہِ ارارات کی ایک چوٹی ”جودی“ ہے۔ جس کا قرآن نے تذکرہ فرمایا ہے اسی پر کشتی ٹھہری تھی۔ اس کشتی کے آثار باقیہ کے متعلق ماہرینِ آثار نے معلومات کو یکجا کیا ہے۔ اس طوفان کے زمانے اور کشتی کی تفصیل کے حوالے سے ایک مفسرِ قطراز ہیں:

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies:
In the Light of Urdu Exegeses

”یعنی آخر مخالفین طوفان سے ہلاک ہو گئے اور ان مومنین نے نجات پائی جو سفینہ میں سوار تھے۔ طوفان نوحؑ کا تخمینہ سال 3200 ق م ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کا یہ سفینہ 3 منزلہ تھا۔ تورات میں اس کی پیمائش حسب ذیل ہے طول 300 ہاتھ، عرض 50 ہاتھ، اونچائی 30 ہاتھ۔ تورات کے بیان کے مطابق یہ جہاز تقریباً پانچ ماہ چلتا رہا۔ سر زمین عراق میں اب بھی اس طوفان کے آثار ملتے رہتے ہیں۔“⁴

اس کشتی کے آثار کس علاقے میں دستیاب ہوئے ہیں، اس پر ایک مفسر لکھتے ہیں:

”ترکی اور روس کی سرحد پر مشرقی اناطولیہ کے پہاڑی سلسلہ میں ایک اونچی چوٹی ہے جس کو ارارات کہا جاتا ہے اس کی بلندی پانچ ہزار میٹر سے زیادہ ہے۔ اس پہاڑی کے اوپر سے اڑنے والے جہازوں کا بیان ہے کہ انہوں نے ارارات کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی پر ایک کشتی جیسی چیز دیکھی ہے۔ چنانچہ اس کشتی تک پہنچنے کی کوششیں جاری ہیں۔ اہل علم کا خیال ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس کو مذہبی روایات میں ”کشتی نوحؑ“ کہا جاتا ہے۔

اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو اس مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی کشتی کو آج بھی باقی رکھا ہے تاکہ وہ لوگوں کے لیے اس بات کی نشانی ہو کہ خدا کے طوفان سے بچنے کے لیے آدمی کو پیغمبر کی کشتی درکار ہے۔ کوئی دوسری چیز آدمی کو خدا کے طوفان سے بچانے والی ثابت نہیں ہو سکتی۔“⁵

فاضل مفسرین کی تفسیری آراء جو علم الآثار کے حوالے سے ہمارے سامنے آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی کے کچھ آثار سلسلہ کوہ ارارات کی چوٹی جودی کے قریب پائے گئے ہیں۔ جن سے اس امر کے دلائل و شواہد ملتے ہیں کہ اسی علاقے میں طوفان آیا تھا اور یہیں کشتی رکی تھی۔ اس کشتی کی باقیات سے ماہرین آثار یہ اندازے لگا رہے ہیں کہ یہ کشتی کس عہد کی ہے۔ جب کہ علامتیں اور تحقیقاتی قرائن اس کشتی کو حضرت نوحؑ ہی کی کشتی قرار دیتے ہیں۔ ایک اور مفسر اسی موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس کشتی کے آثار کیسے دریافت ہوئے:

”جودی پہاڑ عراق اور ترکی کے درمیانی علاقے میں (جسے کردستان کہتے ہیں) موصل کی جانب واقع ہے۔ تورات میں حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہرنے کی جگہ ”ارارات“ بتائی گئی ہے جو آرمینیا کے اس پہاڑی سلسلے کا نام ہے جس سے دجلہ اور فرات نکلتے ہیں۔ جودی بھی اسی پہاڑی سلسلے کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ چند سال ہوئے مغربی سیاحوں نے اس پہاڑ پر ایک بڑی کشتی کے ٹوٹے ہوئے تختے بھی دریافت کیے ہیں۔ اگرچہ ان کے متعلق قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ آیا یہ حضرت نوحؑ کی کشتی کے ہی تختے ہیں یا کسی اور کشتی کے۔ واضح رہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم دجلہ اور فرات کی وادی ہی میں آباد تھی جو بعد میں عراق کے نام سے مشہور ہوئی۔“⁶

حضرت نوحؑ کی یہ کشتی تبلیغ کے طور پر انسانی ذہن میں اس واقعے کی پوری تصویر کشی کر کے رکھ دیتی ہے۔ اگرچہ اس کشتی کے دریافت ہونے سے تفسیر قرآنی میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ لیکن علم الآثار کے حوالے سے یہ ان واقعات اور طوفان کی تاریخ کے حوالے سے ایک تائید مہیا کرتی ہے کہ جب اس مغضوب قوم کو طوفان کے ذریعے غرق کیا گیا تو یہ کشتی کس طرح اللہ کی مدد و نصرت کا نشان بن گئی۔ جب اس تناظر میں اس کشتی کے آثار باقیہ ملتے ہیں تو اس کی بدولت غضب الہی کا منظر سامنے آ جاتا ہے اور انسانیت کے سامنے اس آثاری شاہد اور برہان کی بدولت عبرت اور موعظت کے راستے کھل جاتے ہیں۔

(ب) طوفانِ نوحؑ عام تھا یا خاص:

حضرت نوحؑ کی سرکش قوم کے حوالے سے جو عذاب آیا وہ عالمگیر تھا یا محدود جغرافیے میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ قرآن مجید کے اشارات سے بالواسطہ یہ مترشح ہو رہا ہے کہ یہ طوفان مقامی تھا اور اسی سرکش قوم تک محدود تھا۔ جبکہ کچھ مفسرین اسے عالمگیر قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت روئے زمین پر سوائے حضرت نوحؑ کی قوم کے اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ اس لیے اس طوفان کو عالمی طوفان سمجھنا چاہیے۔ اس دلیل کا حاصل بھی قومِ نوحؑ کے معذب ہونے تک محدود رہتا ہے۔

سر سید احمد خان اپنی تفسیر میں طوفان کے خاص ہونے کے قطعیت کے ساتھ قائل ہیں، آپ لکھتے ہیں:

”طوفان کا عام ہونا محض غلط ہے اور قرآن مجید سے اس کا تمام دنیا میں عام ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے“⁷

اس ضمن میں سر سید احمد ارضیات (Geology) کے علم سے استدلال کر کے طوفان کا عام ہونا غلط ثابت کرتے ہیں۔

مولانا عبدالمجید دریا بادی ان دونوں آراء کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔

”وَأَعْرِضْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا“⁸ یہ الفاظ خود اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لیے بہ طور سزا کے آیا تھا ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہل فن کو ملتے رہتے ہیں۔ تورات میں اس طوفان کے سلسلہ میں تصریحات ذیل ملتی ہیں۔⁹

صحف قدیم میں کچھ ایسی روایات ہیں جن سے اس طوفان کے عالمی ہونے کے اشارے ملتے ہیں۔

”اور نوحؑ چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا۔“ جب نوحؑ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینے کی سترھویں

تاریخ کو اسی دن بڑے سمند کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس دن اور چالیس

رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی ”طوفانِ نوحؑ کا تخمینہ سال 3200 ق م ہے یعنی آج 1946 سے پورے 5146

سال قبل۔ فی الفلک کشتی کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیاں ناؤ تھی۔“¹⁰

اس سے پتہ چلا کہ اس طوفان کی نوعیت اور طوالت کس قدر تھی اور یہ کشتی بھی کسی چھوٹے بحری جہاز سے کم نہ تھی۔ ماہرین علم الآثار نے اس کی باقیات سے جو اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے:

”محققین اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اوپر نیچے تین درجوں کا تھا۔ اور اس کی پیمائش تورات میں حسب ذیل دی

ہوئی ہے: اس کی لمبائی 300 ہاتھ اور اس کی چوڑائی 50 ہاتھ اور اس کی اونچائی 30 ہاتھ (پیمائش: 6:15) گویا اتنا

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies: In the Light of Urdu Exegeses

بڑا مسافروں کا جہاز (Liner) تھا جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے رہتے ہیں۔ حسب روایت تورات یہ جہاز

150 دن (5 مہینہ) تک چلتا رہا۔¹¹

مولانا ثناء اللہ امرتسری اس ضمن میں تاریخی اختلاف کو بیان کرتے ہوئے قرآنی اسلوب کو اپنا مستدل بناتے ہیں:

”طوفانِ نوحؑ میں علماء کا اختلاف ہے کہ دنیا پر تھا یا صرف قومِ نوحؑ پر؟ راقم کے خیال ناقص میں پچھلا مذہب صحیح ہے کیونکہ قرآن شریف کے متعدد مواقع سے معلوم ہے کہ جب تک کوئی قوم نبی کا مقابلہ نہیں کرتی اور سچی تعلیم کی تکذیب پر مصر نہیں ہوتی اس کی ہلاکت نہیں ہوتی۔ یہ کہنا کہ حضرت نوحؑ کی تبلیغ سب کو پہنچ گئی اس زمانے کے رسل و رسائل سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔“¹²

تاریخی روایات جو اصل میں آثاری تحقیقات ہیں کیونکہ اس عہد کی کوئی مربوط تاریخ ہمارے سامنے نہیں اور قبل از تحریر تاریخ کا ماخذ بالعموم ”علم الآثار“ ہی قرار پاتا ہے۔ اس لیے علم الآثار سے جو شواہد ملیں گے ان شواہد کی روشنی میں ہی آیات قرآنیہ کا معنوی رخ متعین کیا جاسکتا ہے۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

”ایک یہ کہ دجلہ و فرات کی سر زمین میں تو ایک زبردست طوفان کا ثبوت تاریخی روایات سے آثار قدیمہ سے اور طبقات الارض سے ملتا ہے۔“¹³

طوفانِ نوحؑ کے حوالے سے دو قسم کے دلائل ہیں: ایک قرآنی مجید اور صحفِ قدیم کے، دوسرے علم الآثار کے۔ جن کے نزدیک یہ طوفان عالمگیر تھا وہ اپنی تحقیق بھی تورات و زبور اور صحفِ قدیم کے تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ مولانا مفتی محمود ان یورپین ماہرین علم الآثار (Archaeologist) کی رائے نقل کرتے ہیں:

”یورپی محققین میں سے بھی بہت سوں کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں آنے والا طوفان عام تھا۔ ساری دنیا پر آیا تھا اور تمام انسان ہلاک ہو گئے تھے سوائے ان لوگوں کے جو کشتی پر سوار تھے۔“¹⁴

طوفانِ نوحؑ کے عالمگیر یا مقامی ہونے کے حوالے سے قرآنی اشارات اس کے مقامی ہونے کے تائید کرتے ہیں۔ اور کچھ مفسرین اس بحث میں علم الآثار سے مدد لے کر اس سے قرآنی اشارات کی تائید و توثیق کرتے ہیں۔ یعنی یہاں علم الآثار (Archaeology) قرآنی علوم کے خادم کے طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔ قرآنی آیت ”وَأَعْرِضْنَا الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا“¹⁵ اسے مغضوب قوم تک محدود کرتی ہے۔ یہ اللہ کی سنت کے خلاف ہے کہ وہ حضرت نوح کو تو ایک خاص قوم کی طرف بھیجے اور طوفان کا عذاب پوری دنیا پر مسلط کیا جائے؟ اس لیے قرآنی اشارات، کشتی کی باقیات کی روشنی میں ماہرین علم الآثار کے شواہد اور عقلِ سلیم طوفان کے محدود اور متعین ہونے کی رائے کو ہی وزنی اور حتمی قرار دیتے ہیں۔ اس بحث میں قولِ راجح کو بیان کرنے کے لیے مفسرین علم الآثار سے استشاد کرتے ہیں۔

۲۔ قوم عاد:

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جس قوم کو شہرت حاصل ہوئی وہ قوم عاد تھی۔ اس مغضوب قوم کے آثار عرب کے مختلف مقامات پر موجود تھے۔ علم الآثار کے سبب اب ان کی تفصیلات اور تباہی کی کیفیات ہمارے سامنے منقش ہو کر آ جاتی ہیں۔ جس کی بدولت محتاط طبیعتوں میں عبرت اور رجوع الی اللہ کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ اور اس علم سے استشاد کے ذریعے انسانیت کو ہدایت کی جانب لایا جاسکتا ہے۔

اس قوم کو زمانی اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: عاد ارم (إِذْ ذَاتِ الْعِمَادِ¹⁶) یا عاد اولی (وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى¹⁷) سے مراد وہ قوم ہے جس کی طرف حضرت ہودؑ کو بھیجا گیا تھا۔

”عاد عرب کی ایک قدیم ترین قوم تھی جو جنوبی عرب میں آباد تھی۔ قرآن کے بیان کے مطابق اس کا مسکن ”احاف“ علاقہ تھا جو حجاز یمن اور عمان کے درمیان واقع ہے اور اب ”ربع خالی“ کے نام سے مشہور ہے۔ یمن کا شہر حضر موت ان کا پایہ تخت تھا۔“¹⁸

یہ وہ قوم ہے جس کو حضرت نوحؑ کی قوم کے بعد دنیا میں عروج ملا¹⁹ ان میں انکارِ حق کے ساتھ استکبار اور اپنی نام آوری کا شوق ہوس کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اس جھوٹی عظمت کا نشان انہوں نے مضبوط پتھروں عمارت قائم کرنے کو سمجھا۔ ان ”بروج مشیدہ“ کے سبب وہ آخرت کی پکڑ سے بے خوف ہو گئے۔

ایک مفسر بتاتے ہیں کہ اونچی عمارتیں ان کی متکبرانہ نفسیات کی بنیاد بن گئیں۔

”عاد کے لیے ذات العمد (اونچے ستونوں والے) کے الفاظ اس لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ وہ بڑی بلند عمارتیں بناتے تھے اور دنیا میں اونچے ستونوں پر عمارتیں کھڑی کرنے کا طریقہ سب سے پہلے انہیں نے شروع کیا تھا۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ ان کی اس خصوصیت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ حضرت ہودؑ نے ان سے فرمایا ”أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ، وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ“²⁰

قرآن کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک ان سے مضبوط اور تنومند قوم صفحہ ارض پر نہ تھی۔ ان کی جسمانی ساخت میں جو چٹنگی اور پائیداری تھی اس نے اس قوم کو متکبرانہ نفسیات میں مبتلا کر دیا تھا۔ قرآن مجید نے قوم عاد کی متکبرانہ نفسیات کے لیے مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں:

”یعنی وہ اپنے زمانے کی ایک بے نظیر قوم تھے، اپنی قوت اور شان و شوکت کے اعتبار سے کوئی قوم اس وقت دنیا میں ان کی ٹکر کی نہ تھی۔ قرآن میں دوسرے مقامات پر ان کے متعلق فرمایا گیا ہے وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً، ”تم کو جسمانی ساخت میں خوب تنومند کیا۔“²¹ قَامًا عَادًا فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً، ”رہے عاد تو انہوں نے زمین میں کسی حق کے بغیر اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور آور؟“²² وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَارِينَ، ”اور تم نے جب کسی پر ہاتھ ڈالا جبار بن کر ڈالا۔“²³

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies:
In the Light of Urdu Exegeses

قرآن مجید نے ان کی تباہیوں کے نقشے کھینچے ہیں اور اہل ایمان کو متوجہ کیا ہے کہ فکر و عمل کی ان کوتاہیوں سے تم نے گریز کرنا ہے۔ وذکرو اذ جعلکم²⁴۔۔۔ اس مضمون سے مماثل دیگر آیات میں انہیں مسلسل تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے متکبرانہ رویہ سے باز آجائیں اور اللہ کی نعمتوں کی قدر دانی کریں۔ اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے والی روش ترک کر دیں۔

”اصل میں لفظ ”آلاء“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی نعمتوں کے بھی ہیں اور کرشمائے قدرت کے بھی اور صفات حمیدہ کے بھی۔ آیت کا پورا مطلب یہ ہے کہ خدا کی نعمتوں اور اس کے احسانات کو بھی یاد رکھو اور یہ بھی فراموش نہ کرو کہ وہ تم سے یہ نعمتیں چھین لینے کی قدرت بھی رکھتا ہے“²⁵

ایسے لوگ اپنی متکبرانہ نفسیات کی وجہ سے اپنا مزاج اور مزعومہ عقائد کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے اس طرح کی متکبرانہ نفسیات انہیں راہ حق سے دور کر دیتی ہے اور وہ اللہ کی پکڑ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ جب حضرت ہودؑ نے ان پر احقاق حق کی حجت قائم کر دی تو پھر اللہ کی پکڑ آگئی۔ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ²⁶

”تو خدا نے طوفانی ہوا اور شدید بارش بھیجی جو ایک ہفتہ تک مسلسل اپنی تمام خوفناکیوں کے ساتھ رات دن جاری رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم اپنے شاندار تمدن سمیت برباد ہو کر رہ گئی۔ اس قوم کا نشان اب صرف ریگستان ہے جو موجودہ عمان اور یمن کے درمیان دور تک پھیلا ہوا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ علاقہ نہایت شاداب اور آباد تھا۔ مگر اب وہاں کسی قسم کی زندگی نہیں پائی جاتی۔“²⁷

سید مودودی ان کی اس تباہی کے احوال میں علم الآثار سے استشاد کرتے ہوئے بتاتے ہیں۔

”اور موجودہ ٹری اکشافات بھی اس پر شہادت دیتے ہیں کہ عداوہ بالکل تباہ ہو گئے اور ان کی یادگاریں تک دنیا سے مٹ گئیں۔ چنانچہ مورخین عرب انہیں عرب کی اُمم باندہ (معدوم اقوام) میں شمار کرتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی عرب کی تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ عدا کا صرف وہ حصہ باقی رہا جو حضرت ہودؑ کا پیرو تھا انہی کا نام تاریخ میں عدا ثانیہ ہے۔“²⁸

اس قوم نے اسکتبار کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر حضرت ہودؑ کو ہمیشہ تضحیک آمیز رویوں سے دوچار کیا۔ یہ قوم اپنے پیغمبر پر کبھی طنز کرتی اور ان کا مذاق اڑاتی۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً ان کی طرف سیاہ بادل بھیجا جو بظاہر بارش کا بادل تھا اور حقیقتاً عذاب کا، یہ ان کے استہزائیہ رویے کا جواب بھی تھا۔ تم ہمارے پیغمبر کے ساتھ دھوکہ کرتے ہو کہ ہم ایمان لائے گے۔ پھر ایمان نہ لا کر طنزیہ کہتے ہو کہ ایمان کی کیا اہمیت ہے، اب جواباً تمہارے ساتھ عذاب کا معاملہ بھی ہو گا اور اس میں طنز کا طنزیہ جواب بھی ہو گا۔

مولانا عبد الرحمن کیلانی اس معذب زمین کے آثار سے استشاد کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس بادل کے اندر گندھک تھی جس کی علامتیں اس ارض مغضوبہ سے ملتی ہیں۔

”یہ بارش برسانے والا بادل نہ تھا بلکہ ان کی جانوں پر مسلط ہو جانے والا اللہ کا عذاب تھا جس میں سیاہ غلیظ گندھک کے بخارات ملا ہوا دھواں تھا۔ ساتھ ہی کسی پہاڑ سے کوئی لاوا پھٹا جس سے شدید زلزلہ آگیا اور اس سے ہولناک چیخوں کی آواز بھی آتی رہی جس سے دل دہل جاتے اور کان پھٹے جاتے تھے اور غلیظ دھوئیں نے ان کے جسم میں داخل ہو کر ان

کے دلوں اور کلیجوں کو ماؤف کر دیا اور انہیں سانس تک لینا محال ہو گیا جس سے یہ ساری کی ساری قوم چیخ کر اور تڑپ تڑپ کر وہیں ڈھیر ہو گئی اور اس شدید زلزلے نے ان کے محلات کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا پہاڑوں میں تراشے ہوئے مکانات سوائے چند ایک کے سب چلنا چور ہو گئے۔²⁹

معارف القرآن میں ان کی اس کیفیت اور آثار سے استشاد کے تناظر میں تفسیری ترجمہ کرتے ہیں۔

”اور یہ ان کے اڑے ہوئے مکان اور ان کی تباہی اور بربادی کے نشان اور کھنڈر تمہارے سامنے ہیں۔“³⁰

اس قوم کے مضبوط تن و توش نے انہیں جس متکبرانہ نفسیات کا خوگر بنادیا تھا اس کا نتیجہ اصلاح احوال یا مکمل تباہی کی صورت میں نکل کر رہنا تھا۔ ان کے پہاڑوں میں تراشے ہوئے مضبوط مکانات آج بھی غضب الہی کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے ویران و اڑے ہوئے مضبوط گھروں کے آثار سے مفسرین کرام استشاد کرتے ہیں۔ اور نوع انسانیت کو اعمالِ بد سے روکنے کے لیے ان آثارِ باقیہ کو نمونہ عبرت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

قوم عاد کے انجام کے حوالے سے اردو کے تفسیری ادب میں علم الآثار کی جدید تحقیقات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے اور ان کے انجام کو بطور استشاد پیش کر کے انسانیت کو موعظت اور ہدایت کی جانب راغب کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ارض القرآن کے آثار پوری انسانیت کے لیے سبب ہدایت بن سکتے ہیں۔ اور مغربی قوموں کے لیے چونکہ علم الآثار کی اہمیت ہے اس لیے جب قرآن مجید ان آثار کو بطور استشاد پیش کرتا ہے تو یہ اقوام عقلی بنیادوں پر قرآن کی جانب متوجہ ہو سکتی ہیں۔

۳۔ قوم ثمود:

جب اپنی سرکشی اور طغیان کے سبب قوم عاد اللہ کی پکڑ کا شکار ہوئی تو اس کے بعد قوم ثمود ان کی جانشین بنی۔ اس قوم کے اندر بھی اپنی پیش رو قوم والی خرابیاں پیدا ہو نا شروع ہو گئیں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ اس قوم کا راضی محل وقوع کیا ہے۔ اور آج کل اسے کس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور علم الآثار نے اس کی باقیات کو کس طرح دریافت اور محفوظ کیا ہے۔

”حجر قوم ثمود کا مرکز شہر تھا جو اب مدائن صالح کے نام سے مشہور ہے اور وہاں اس قوم کے تباہ شدہ آثار اب بھی موجود ہیں یہ علاقہ شہر العلاء سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حجاز سے جو قافلے شام جاتے ہیں وہ لازماً اس سے گزر کر جاتے ہیں اور یہ اس ریلوے لائن کا ایک اسٹیشن بھی ہے جو مدینہ سے دمشق کو جاتی ہے۔“³¹

ایک مفسر اس عہد اور اس میں ان کی اعتقادی اور اخلاقی برائیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کوئی قوم صرف مادی ترقی کی بنیاد پر تادیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب اس کے ہاں خدا فراموشی، اور خود فراموشی کی وبا پھیل جائے تو اس سے حق زندگی سلب کر لیا جاتا ہے۔

”ان میں وہ خرابیاں پیدا ہو گئیں جو مادی ترقی اور دنیوی خوش حالی کے ساتھ قوموں میں پیدا ہوتی ہیں۔ عیش پرستی، آخرت فراموشی، حدود اللہ سے بے پروائی، اللہ کی بڑائی کو بھول کر اپنی بڑائی قائم کرنا۔ اس وقت اللہ نے حضرت صالح کو کھڑا کیا تاکہ وہ

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies:
In the Light of Urdu Exegeses

ان کو اللہ کی پکڑ سے ڈرائیں،۔۔۔ انہوں نے اپنی حد سے تجاوز کر کے زندہ رہنا چاہا۔ یہ ایک اصلاح یافتہ دنیا میں فساد پھیلا نا تھا۔ چنانچہ ان کو دنیا میں بسنے سے نااہل قرار دے دیا گیا۔“³²

حضرت مولانا احمد علی لاہوری اپنے تحریر کردہ قرآنی حواشی میں ”تذکیر بایام اللہ“ کی اصطلاح کو آیات قرآنیہ کے تناظر میں بتکرار پیش کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان مغضوب اقوام کے تباہ و برباد ہونے کے روحانی و اخلاقی اسباب تھے۔ چنانچہ قوم ثمود کے عذاب پر مشتمل رکوع کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کوئی قوم اللہ کے غضب کی مستحق کب بنتی ہے۔

”تذکیر بایام اللہ، قوم ثمود نے دعوت توحید کو رد کیا اور ہلاک ہوئی۔“³³

قوم ثمود کی تمدنی شان و شوکت کے شواہد قرآن پیش کرتا ہے ”وَتَنَحِثُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ“³⁴ اور بتاتا ہے ان کے اندر شرک اور اخلاق فاسدہ کی بدولت ایک ”تمدنی غرور“ پیدا ہو گیا تھا، جس نے ان کے تمدن میں ایک بڑا خلا پیدا کر دیا تھا ایک طرف یہ ہدایت الہی سے بے نیاز تھے تو دوسری جانب فساد فی الارض ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔

”ثمود بڑے متدن لوگ تھے اور ان کی شان و شوکت کا یہ حال تھا کہ وہ پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر عمارتیں بنایا کرتے تھے۔ آج بھی مدینہ منورہ اور تبوک کے درمیان مدائن صالح۔ جس کا قدیم نام حجر تھا۔ میں ان کی پہاڑوں میں تراش کر بنائی ہوئی بہت سی عمارتیں موجود ہیں۔ اس آیت میں ”فارہین“ کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ یہ سب کچھ محض اپنی شان و شوکت کے اظہار اور اپنی دولت و قوت اور اعلیٰ تمدن کی نمائش کے لیے کرتے تھے نہ کہ کسی حقیقی ضرورت کے تحت، اور یہی ایک زوال پذیر تمدن کی شان ہوتی ہے۔“³⁵

اس قوم کو اپنی خرابیوں اور اعمال شرکیہ کا احساس نہ تھا اور احساس دلانے والے کو اپنی بگڑی نفسیات کے سبب اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ مزید یہ کہ اس وقت کے دنیاوی علوم و فنون میں انہیں کمال درجے کی مہارت حاصل تھی۔ جس نے ان کے اندر غرور نفس، طغیان و عدوان اور استکبار عن الحق کو مزید بڑھا دیا تھا۔ اس لیے تذکیر اور تنبیہ ان پر اثر انداز نہ ہو رہی تھی اور اپنی مادی و تمدنی ترقی کے سبب ان کا غرور بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

”ثمود نے فن تعمیر میں کمال پیدا کیا۔ متعلقہ علوم مثلاً ریاضی، ہندسہ، انجنئرنگ میں بھی یقیناً انہوں نے ضروری دستگاہ حاصل کی ہوگی ورنہ یہ ترقیات ممکن نہ ہوتیں۔ مگر ان کو جس بات کا مجرم ٹھہرایا گیا وہ ان کی مادی ترقیاں نہیں تھیں بلکہ زمین میں فساد پھیلا نا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جائز حدود میں ترقی کرنے سے خدا نہیں روکتا۔ البتہ زندگی کے معاملات میں آدمی کو اس نظام اصلاح کا پابند رہنا چاہیے جو خدا نے پوری کائنات میں قائم کر رکھا ہے۔“³⁶

استکبار و طغیان کے اس پہلو پر ایک فاضل مفسر ان کے آثار باقیہ کے متعلق بتاتے ہیں:

”قریب قریب یہی حال قوم ثمود کا تھا، بڑے کاریگر، صنّاع اور انجنیئرز تھے ان کے سترہ سو (1700) شہر اور بستیوں آباد تھیں۔ تبوک سے لے کر وادی القریٰ تک زرخیز زمین، گھنے باغات اور عالیشان عمارات تھیں۔ آج ان کے کھنڈرات دیکھ کر ہی آدمی حیران ہو جاتے ہیں۔ تبوک میں پہاڑوں کے اندر ان کے مکانات کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔“³⁷

اب اللہ کا قانون مکافات عمل حرکت میں آیا اور اس قوم کو خدائی گرفت کے ذریعے نشان عبرت بنا دیا گیا۔ ان پر جو عذاب آیا قرآن مجید نے ان کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے۔ مولانا عبدالرحمن کیلانی نے ان تمام الفاظ کی مختصر توضیح کر کے تطبیق فرمادی ہے۔
 ”شمود کو کون سے عذاب سے ہلاک کیا گیا تھا؟ اس کے لیے مختلف مقامات پر مختلف الفاظ آئے ہیں: سورہ اعراف آیت ۸۴ میں اس کو الرِّجْفَةُ (زبردست زلزلہ) کہا گیا ہے۔ سورہ ہود کی آیت نمبر ۶ میں الصَّيْحَةُ (زبردست دھماکہ یا ہیبت ناک چیخ) کا لفظ آیا ہے اور سورہ حم السجدہ کی آیت نمبر ۱۷ میں (صَاعِقَةُ الْعَذَابِ) (یعنی گرنے والی بجلی کا عذاب) کا لفظ آیا ہے اور یہاں الطَّاعِنَةُ کا لفظ آیا ہے۔ جس سے عذاب میں سخت سرکشی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ ایک ہی واقعہ کی مختلف کیفیتوں کا بیان ہے اور وہ عذاب یہ تھا کہ ارضی اور سماوی دونوں قسم کے عذاب قوم شمود پر یک دم آئے تھے۔“³⁸

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی رائے کے حوالے سے ان کی کیفیت عذاب پر ایک مفسر لطیف تبصرہ کرتے ہیں:
 ”شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ہلاکت کے بیان میں تقدیم و تاخیر میں ایک لطیف نکتہ پنہاں ہے فرماتے ہیں کہ یہاں پر تاریخی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ بیان میں سزا کی نوعیت کا خیال رکھا گیا ہے۔“³⁹

گویا ان کی سزا کے اندر الوہی حکمتوں کا ایک جہاں پوشیدہ ہے۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ جب کسی قوم کے روحانی و اخلاقی جرائم رکھنے نہ پائیں تو اللہ انہیں برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وسائل حیات اور مضبوط مکانوں پر اپنے قہر کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی دنیوی آسرا ان کے کام نہ آسکا۔

”وہ اپنے گھروں میں ہی مر گئے اور وہیں گلتے سڑتے رہے۔ ان کا علاقہ اس راستہ پر پڑتا ہے جو مدینہ سے تبوک جاتا ہے اور ان کے بہت سے آثار طویل مدت تک دوسروں کے لیے باعث عبرت بنے رہے۔“⁴⁰

ان کے یہی آثار باقیہ تھے جو غزوہ تبوک میں مسلمانوں کے مشاہدے میں آئے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے ان آثار مغضوبہ کو مقام عبرت قرار دیا اور اہل ایمان کو وہاں سے جلد نکل جانے کی تلقین فرمائی۔

”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجَرِ قَالَ: «لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ، أَنْ يُصِيبَكُمْ مَا أَصَابَهُمْ، إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، ثُمَّ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجَازَ الْوَادِيَّ»⁴¹

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ کا گزر حجر پر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ظالموں کی رہائش گاہ میں داخل نہ ہو، تاکہ ان جیسا عذاب تم کو نہ پہنچے۔ مگر یہ کہ تم روتے ہوئے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے سر مبارک نیچے کیا تیزی سے وادی کو پار کیا۔)

علم الآثار سے قرآن کا یہی مقصد ہے کہ اہل ایمان کو تذکیر و نصیحت ہو اور دیگر افراد اس سے عبرت حاصل کر کے ہدایت الہی کی جانب لپکیں۔

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies:
In the Light of Urdu Exegeses

”یہ قوم الحجر میں رہتی تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ ہے۔ حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک جو میدان نظر آتا ہے یہ سب الحجر ہے۔ آج کل یہ ”فج الناقہ“ کے نام سے مشہور ہے شموذ کی بستیوں کے کھنڈرات اور آثار آج تک موجود ہیں۔“⁴²

ان کی تباہی کے آثار اہل عرب کے مشاہدے میں تھے اس لیے قرآن مجید نے اس راستے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”وَأَنَّهُمَا لَيَأْمَانُ مَبِينٌ“⁴³ سے مقصود یہی تھا کہ ان آثار مغضوبہ کو دیکھ کر اہل عرب ان سے عبرت حاصل کریں اور اپنے عقیدہ و عمل کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوں۔

”ایکہ والے“ وَأَنَّهُمَا لَيَأْمَانُ مَبِينٌ ”دو بڑی شاہراہ پر واقع تھے عراق سے مصر جانے والے لوگ بھی اسی راستے سے ہو کر گزرتے تھے اور حجاز سے شام اور فلسطین کے مسافروں کو بھی اسی شاہراہ سے گزرنا ہوتا تھا اور وہ ان اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھتے تھے۔ مکے کے لوگ بھی اسی راستے سے گزرتے تھے۔ اس لیے اللہ نے ان کو بھی یاد دلایا کہ وہ ان ویران بستیوں سے عبرت حاصل کریں۔“⁴⁴

پہاڑ میں عمارتیں تراشنا کوئی آسان کام نہ تھا اس کے لیے اعلیٰ درجے کی مہارتیں (Skills) درکار ہوتی ہیں۔ جس میں انجینئرنگ، ریاضی وغیرہ علوم پر ماہر نہ دسترس ایک لازمی امر ہے۔ جب اس درجہ کی عمارتیں تعمیر و تشکیل پانے لگیں تو قوم میں ایک غرور اور اپنے ناقابلِ تسخیر ہونے کا احساس ابھرتا ہے۔ اور اس فاسد احساس کے سبب انسان ذات الٰہی سے کٹ جاتا ہے اور ذات باری کے حضور جھکنے سے انکار کرتا ہے۔ اس استکبار کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قومی نفسیات تکبر و غرور کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں۔ اور دوسرے مرحلے میں تکبر کا نتیجہ غریبوں کا استحصال، ظلم اور فساد فی الارض کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس کے بعد اس قوم کے لیے خدائی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔

”تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهْلِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَادْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْتَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ“⁴⁵ عادیوں کی شموذی بھی بڑے صنایع سنگراش اور اپنی تعمیرات کے لیے مشہور ہوئے ہیں۔ اور جب ان صنعتوں اور صنایعوں میں اتنے بڑھے ہوئے تھے تو لازمی ہے کہ جن علوم و فنون پر یہ صنعتیں مبنی ہیں یعنی ریاضی، ہندسہ، انجینئرنگ ان میں بھی نہایت ممتاز و بلند پایہ ہوں۔“⁴⁶

اس قوم کے عقیدہ اور عمل کے قومی زوال کی ایک مفسر یوں نشانہ ہی کرتے ہیں۔

”عرب کے جغرافیہ میں اسلام سے پہلے مختلف قومیں ابھریں مثلاً عاد، شموذ، سبا، مدین، قوم لوط وغیرہ۔ ہر ایک کبر میں مبتلا ہو گئی مگر ہر ایک کا کبر زمانہ نے باطل کر دیا اور باآخراں کی حیثیت گزری ہوئی کہانی کے سوا اور کچھ نہ رہی۔ ان قوموں کے کھنڈر چاروں طرف پھیلے ہوئے انسانی عظمت کی نفی کر رہے تھے۔“⁴⁷

قومِ ثمود کی اس عبرت ناک داستان کو قرآن مجید نے عبرت اور موعظت کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اور مفسرین نے اس قوم کے آثارِ مغضوبہ، کھنڈرات اور تباہ شدہ علاقوں کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں اور اس ضمن میں بتایا ہے کہ آریکیولوجی کے سبب ان آثار سے عبرت حاصل کرنا اور آسان ہو گیا ہے۔ چونکہ اہل مغرب کے ہاں علم الآثار ایک سائنس کا درجہ رکھتا ہے اس لیے قرآن مجید کے مخصوص مقامات پر فاضل مفسرین اس علم سے استنباط کرتے ہیں اور اس ذریعہ کے سبب ہدایت قرآنی کی جانب انسانیت کو متوجہ کرتے ہیں۔

۴۔ قومِ لوط:

حضرت لوطؑ کی قوم کے حوالے سے ان پر عذاب و گرفت کو قرآن مجید نے مختلف اسالیب سے بیان کیا ہے۔ کہیں ”وَالْمُؤْتَفِكَاثُ بِالنَّاطِطَةِ“⁴⁸ کہا، کہیں ان کے عذاب کی نوعیت فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا⁴⁹ سے تعبیر کیا اور کیفیت عذاب کے پس منظر میں متعدد الفاظ استعمال فرمائے۔ اور کفار عرب کو متنبہ کیا کہ تم دورانِ سفر ان بستیوں سے گزرتے ہو تو ان سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے؟۔

”یعنی جو قافلے حجاز سے شام یا عراق سے مصر جاتے ہیں یہ بستی ان کے راستے میں پڑتی ہے مگر لوگ ہیں کہ اس میں تباہی کے آثار دیکھ کر کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ جدید محققین کا خیال ہے کہ یہ بستی بحرِ میت کے (جسے بحرِ لوط بھی کہتے ہیں) جنوب مشرق میں واقع تھی بلکہ اس زمانہ میں اردن کی حکومت بحرِ میت کے جنوبی حصہ سے اس کے تباہ شدہ آثار برآمد کرنے کی بھی کوشش کر رہی ہے۔“⁵⁰ ”کفار قریش کو توجہ دلائی کہ اگر ان کی آنکھیں ہیں تو ان معذب بستیوں سے درسِ عبرت حاصل کریں جو ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں بلکہ وہ ایسے چلتے راستے پر واقع ہیں جن سے آئے دن ان کو گزرنا پڑتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ سدوم اور عمورہ کی بستیاں حجاز اور شام کے تجارتی راستے پر واقع تھیں اور یہ راستہ دونوں ملکوں کے تجارتی قافلوں کی عام گزرگاہ تھا۔“⁵¹ قرآن مجید نے ان اقوام کے آثار کو عبرت کے طور پر اس لیے بھی پیش کیا ہے کہ اہل عرب ان کے علاقوں اور محل وقوع سے بخوبی واقف تھے۔ کوئی مغضوب علاقہ ان کے احاطہ معلومات سے باہر نہ تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد اس عبرت پذیری کی طرف متوجہ کرتے اور ان آثار سے استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

” (قرآن نے) گزشتہ قوموں کے ایام و وقائع کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ان کی بد عملی اور شرارت و سرکشی کا نتیجہ کیسے دردناک عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سلسلہ میں صرف تین قوموں کا ذکر کیا ہے جن کی آبادیوں پر سے عرب کے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ان کی ہولناک ہلاکتوں کے مناظر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے۔ یعنی قومِ لوط جس کی بستیاں عرب اور فلسطین کے درمیان شاہراہ عام پر واقع تھیں، قبیلہ مدین کی بستی بحرِ قلزم کے کنارے تھی اور حجاز سے فلسطین کی طرف جائیں خواہ مصر کی طرف، ان کے کھنڈر راہ میں ضرور پڑتے تھے۔ شہرِ حمر میں بسنے والی قوم یعنی ثمود جس کا مقام بھی اسی شاہراہ پر واقع تھا یعنی حجاز اور شام کی شاہراہ پر۔“⁵²

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies:
In the Light of Urdu Exegeses

اس قوم پر جس فعل شنیع کے سبب سے عذاب آیا تھا وہ کسی ایک فرد یا بستی کے ساتھ نہ تھا بلکہ اکثریت اس میں ملوث تھی۔ اس کی تفصیل ایک مفسر بیان کرتے ہیں:

”یہ کل چار بستیاں تھیں جن میں چار لاکھ لڑنے والے مرد موجود تھے اور یہ سب بدکار اور مجرم تھے۔ جبریلؑ نے اس پورے خطہ زمین کو اپنے پروں پر اٹھایا پھر فضا میں بلندی پر لے کر انہیں اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک زبردست دھماکے کی آواز پیدا ہوئی۔ اس پر بھی اللہ کا غضب فرو نہ ہوا تو پھر اسی خطہ زمین پر اوپر سے پتھروں کی بارش کی گئی۔ چنانچہ یہ خطہ زمین سطح سمندر سے ۴۰ میٹر نیچے چلا گیا اور پانی آگیا۔ یہی پانی بحر میت یا غرقاب لوطی ہے۔“⁵³

ان پر شدت عذاب کی کیفیت اور اللہ کے غضب و قہاریت کے ضمن میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی، امام تفسیر حضرت مجاہد کی یہ روایت نقل کرتے ہیں:

”مجاہد نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے اپنا بازو قوم لوط کی بستیوں کے نیچے ڈال کر اس خطہ کو اکھاڑ لیا اور آسمان کے قریب پہنچ کر اس کو اوندھا کر کے گرا دیا اور اس کے بعد پتھروں کی بارش کی گئی۔“⁵⁴

قوم لوط کے یہ معذب شہر جس سزا سے دوچار ہوئے وہ عبرتناک تھی۔ قانون الہی جب حرکت میں آتا ہے تو خشکی اور تری پر اس کی گرفت سے کوئی جائے مفر نہیں ہوتی۔ مفتی محمد شفیع ان کے جرم اور سزا کے درمیان ایک لطیف مماثلت کو بیان کرتے ہیں:

”یہ چار بڑے بڑے شہر تھے جن میں یہ لوگ بستے تھے، انہیں بستیوں کو قرآن کریم میں دوسری جگہ ”موتفکات“ کے نام سے موسوم کیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو جبرائیلؑ نے اپنا بازو ان سب شہروں کی زمین کے نیچے پہنچا کر سب کو اس طرح اوپر اٹھا لیا کہ ہر چیز اپنی جگہ رہی، پانی کے برتن سے پانی بھی نہیں گرا، آسمان کی طرف سے کتوں اور جانوروں اور انسانوں کی آوازیں آ رہی تھیں ان سب بستیوں کو آسمان کی طرف سیدھا اٹھانے کے بعد اوندھا کر کے پلٹ دیا، جو ان کے عمل خبیث کے مناسب حال تھا۔“⁵⁵

قوم لوط پر اس عذاب کے آثارِ باقیہ اب بھی عبرت کے پہلو لیے ہوئے موجود ہیں اور ماہرین علم الآثار اس کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔ اور مفسرین کرام، علم الآثار کے ان شواہد سے استشاد بھی کرتے ہیں:

”حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس علاقہ میں رہتی تھی۔۔۔ اب صرف بحیرہ مردار ہی اس کی ایک یادگار باقی ہے جسے آج تک بحر لوط کہا جاتا ہے۔ اردن کی وہ جانب جہاں آج بحر مردار یا بحر لوط واقع ہے، اس کے قریب رہنے والوں کا اعتقاد ہے کہ یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانہ میں یہ خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے سدوم اور عامورا وغیرہ یہی تھے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا۔ اس سے اس کا نام بحر مردار اور بحر لوط ہے۔ اس زمانہ کے محققین نے بھی بحر مردار کے ساحل پر بعض تباہ شدہ بستیوں کے آثار دیکھ کر یہ یقین کر لیا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جس جگہ کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔“⁵⁶

”بحیرہ مردار“ کی وجہ تسمیہ کا تعلق بھی اس قوم پر عذاب سے ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد قرآن مجید کے بیان اور صحف قدیم سے مدد لیتے ہوئے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور بالخصوص ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیقات سے استشاد کر کے اس کے نتائج اہل بصیرت کے سامنے رکھتے ہیں اور نوعیت عذاب کی وضاحت کرتے ہیں۔

”تورات میں ہے کہ سدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی، قرآن میں ہے کہ پتھر گرے، دونوں بیانون کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیش آئی ہوگی جیسے آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ بحیرہ مردار (Dead Sea) کے جنوب مشرق میں جو ویران علاقہ نظر آتا ہے اس میں موجود کھنڈروں سے پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ علاقہ نہایت شاداب اور آباد تھا۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے اس علاقہ کی آبادی و خوشحالی کا دور 2300 ق م سے 1900 ق م تک رہا ہے اور اسی دور میں تقریباً حضرت ابراہیمؑ ہوئے ہیں۔ اس علاقہ میں نفت (تیل) اور اسفالٹ کے گڑھے تھے۔ طبقات الارض کے ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ زلزلے کے جھکوں (جسے قرآن میں الصیحة کہا گیا ہے) کے ساتھ پٹرول، گیس اور اسفالٹ بھڑک اٹھے اور سارے علاقہ دلدل سا بن گیا۔ خود بائبل میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔“⁵⁷

خدا کے قانونِ قضی و قدر نے جب ان کے جرائم کی بنا پر ان کی بیخ کنی کا فیصلہ کیا اور انہیں رہتی دنیا تک نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس علاقے کی نحوست اور ویرانی آج بھی اس غضبِ الہی کے آثار کی یاد دلاتی ہے۔ اس لیے مفسرین کرام اس قوم کے آثارِ مغضوبہ سے استشاد کر کے اس قوم کی تباہی کے اسباب بیان کرتے ہیں۔

اس تناظر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی قرآن مجید، تورات اور یونانی تاریخ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیقات سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور بحیرہ مردار اور اس کے گرد و پیش میں ان ماہرین نے جو اثری شواہد مہیا کیے ہیں، ان سے استشاد کر کے نتائج بھی نکالتے ہیں:

”بائبل کے بیانات، قدیم یونانی اور لاطینی تحریروں، جدید زمانے کی طبقات الارضی تحقیقات اور آثار قدیمہ کے مشاہدات سے اس عذاب کی تفصیلات پر جو روشنی پڑتی ہے اس کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں: بحیرہ مردار (Dead Sea) کے جنوب اور مشرق میں جو علاقہ آج انتہائی ویران اور سنسان حالت میں پڑا ہوا ہے، اس میں بکثرت پرانی بستیوں کے کھنڈروں کی موجودگی پتہ دیتی ہے کہ یہ کسی زمانہ میں نہایت آباد علاقہ رہا تھا۔ آج وہاں سینکڑوں، برباد شدہ قریوں کے آثار ملتے ہیں، حالانکہ اب یہ علاقہ اتنا شاداب نہیں ہے کہ اتنی آبادی کا بوجھ سہا سکے۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ اس علاقے کی آبادی و خوشحالی کا دور 2400 ق م سے 1900 ق م تک رہا ہے۔“⁵⁸

قرآن مجید نے والمؤتفکات بالخاطئة کی جو تعبیر اختیار کی ہے۔ بحیرہ مردار میں ان الٹی بستیوں کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ ماہرین علم الآثار نے سیٹلائٹ کے ذریعے ان تباہ شدہ بستیوں کی تصویریں حاصل کر لی ہیں۔ مولانا مودودی آثار کے ان شواہد سے مستفید ہوتے ہیں:

”موجودہ زمانے کے محققین کی عام رائے یہ ہے کہ وہ وادی اب بحیرہ مردار میں غرق ہے، اور یہ رائے مختلف آثار کی شہادتوں سے قائم کی گئی ہے۔ قدیم زمانہ میں، بحیرہ مردار جنوب کی طرف اتنا وسیع نہ تھا جتنا اب ہے۔۔۔ پہلے ایک سرسبز وادی کی شکل میں آباد تھا اور یہی

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies:
In the Light of Urdu Exegeses

وہ وادی سدیم (سدوم) تھی جس میں قوم لوط علیہ السلام کے بڑے بڑے شہر سدوم، عمورہ، ادمہ، ضبوئیم اور ضغر واقع تھے۔ دو ہزار برس قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں ایک زبردست زلزلے کی وجہ سے یہ وادی پھٹ کر دب گئی بحیرہ مردار کا پانی اس پر چھا گیا۔ آج بھی یہ بحیرہ کا سب سے زیادہ اٹھلا حصہ ہے، مگر رومی عہد میں یہ اتنا اٹھلا تھا کہ لوگ اللسان سے مغربی ساحل تک چل کر پانی میں سے گزر جاتے تھے۔ اس وقت تک جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ پانی میں ڈوبے ہوئے جنگلات صاف نظر آتے ہیں۔ یہ شبہ بھی کیا جاتا ہے کہ پانی میں کچھ عمارات ڈوبی ہوئی ہیں۔⁵⁹

قوم لوط کے ذیل میں عذاب اور اس کی تفصیلات متعدد مفسرین کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں۔ اگرچہ قدیم مفسرین نے بھی بحیرہ مردار اور اس کے گرد و نواح کے مغرب علاقے پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اردو کے تفسیری ادب میں علم الآثار کی تحقیقات سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے، اور ماہرین آثار قدیمہ کے نتائج اور ان کی ارضیاتی رپورٹس (Geological reports) سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ سیٹلائٹ (Satellite) اور علم آثار کے دیگر جدید طریقوں کے سبب ان الٹی ہوئی بستیوں کی تفصیلات میسر آ گئی ہیں۔ اور ہمارے جلیل القدر مفسرین نے ماہرین علم آثار کی تحقیقات سے استنباط کیا ہے۔

”حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں جن کا تختہ الٹا گیا ہے قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق عرب سے شام کو جانے والے راستہ پر اردن کے علاقہ میں آج بھی یہ مقام سطح سمندر سے کافی گہرائی میں ایک عظیم صحرا کی صورت میں موجود ہے اس کے ایک بہت بڑے رقبہ پر ایک خاص قسم کا پانی دریا کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے اس پانی میں کوئی مچھلی، مینڈک وغیرہ جانور زندہ نہیں رہ سکتا اس دریا کو میت اور بحر لوط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس میں پانی کے اجزاء بہت کم اور تیل کی قسم کے اجزاء زیادہ ہیں اس لیے اس میں کوئی دریا کی جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔“⁶⁰

مفتی محمد شفیع صاحب عوام الناس کے رویے پر افسوس کرتے ہیں کہ ان مغضوب آثار سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے انہیں تفریحی مقامات میں بدل دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس مغضوب جگہ کو دیکھ کر خشیت الہی اور رجوع الی اللہ کے جذبات پیدا ہونے لگتے، وہاں اب لہو و لعب اور تفریح و عیاشی کی رنگینیاں ہیں:

”آج کل آثار قدیمہ کے محکمہ نے کچھ رہائشی عمارتیں ہوٹل وغیرہ بھی بنادیے ہیں اور آخرت سے غافل مادہ پرست طبیعتوں نے آج کل اس کو ایک سیرگاہ بنایا ہوا ہے۔ لوگ تماشے کے طور پر اسے دیکھنے جاتے ہیں قرآن کریم نے اسی غفلت شعاری پر تنبیہ کے لیے آخر میں فرمایا (آیت) ”إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ“ یعنی درحقیقت تو یہ واقعات و مقامات ہر چشم بصیرت رکھنے والے کے لیے عبرت آموز ہیں لیکن اس عبرت سے فائدہ اٹھانے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں دوسرے لوگ ان مقامات کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر روانہ ہو جاتے ہیں۔“⁶¹

قوم لوط نے انسانی تاریخ کے اندر تکذیب رسل کے ساتھ ساتھ شہوت و جنسیت کے باب میں جرم کا ایک قبیح انداز اپنایا۔ اور ہم جنس پرستی کو اپنی ہجان خیزی کا ذریعہ بنایا۔ بار بار کی پیغمبرانہ تنبیہ کے باوجود یہ قوم اپنے جرائم سے بار نہ آئی تو اسے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ اس کے گرد و پیش کی پہاڑیوں پر عذاب کے باقیات نظر آتے ہیں۔

۵۔ قوم شعیبؑ:

اس قوم کے اندر پیغمبرانہ تعلیم کا انکار اور حضرت شعیبؑ کا استہزاء بڑے جرائم تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حب مال کی حرص کے سبب ماپ تول کی کمی کو انہوں نے اپنی اجتماعی عادت بنا لیا تھا۔ جب کوئی قوم صحیح عقیدے کی تمذیب پر تل جائے اور داعی حق کی تحقیر کو اپنا مزاج بنالے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی پامالی کو قومی روایت بنالے تو اللہ کا قانون ایسی قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ ایک مفسران کے شجرہ نسب اور علاقے کے متعلق لکھتے ہیں:

”مدین حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے کا نام ہے جو قطورہ کے بطن سے تھا۔ جہاں اس نے سکونت اختیار کی تھی وہاں رفتہ رفتہ ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ اور وہ شہر مدین ہی کے نام سے مشہور ہو گیا تھا یہ شہر حجاز عرب میں کوہ سینا کے جنوب مشرق میں بحر قزوم کے کنارے سے کسی قدر فاصلہ پر واقع تھا اب وہ بالکل ویران اور غیر آباد ہے البتہ اس کے کھنڈرات اور نشانات اب تک موجود ہیں۔“⁶²

ایک مفسران کے مغضوب علاقے کا تعارف کرواتے ہیں۔ اور اس ابہام کو دور کرتے ہیں کہ اصحاب الایکہ اور اصحاب مدین دو مختلف قومیں تھیں۔ جن کی طرف حضرت شعیبؑ کو بھیجا گیا۔ ان دونوں کے علاقے بھی کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں۔ ان کے آثار باقیہ بتاتے ہیں کہ اللہ کی گرفت کے بعد وہ جگہ کس طرح نمونہ عبرت بن جاتی ہے۔

”مراد ہیں اس علاقہ کے رہنے والے جہاں اب شہر تبوک واقع ہے۔ اس علاقہ میں ایکہ یعنی ایک گھنا جنگل تھا، اس لیے انہیں اصحاب الایکہ (بن والے) کہا گیا۔ یہ اور اصحاب مدین دو الگ الگ قومیں تھیں، اور ان دونوں کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔“⁶³

اس قوم کی نسبت کی توضیح کرتے ہوئے ایک مفسر لکھتے ہیں:

”ایکہ“ کے لفظی معنی جنگل کے ہیں۔ یہ تبوک کا پرانا نام ہے۔ قوم شعیبؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھی، وہ جس علاقہ میں آباد ہوئی اس کا مرکزی شہر تبوک تھا اس لیے قرآن میں اس کو اصحاب ایکہ کہا گیا ہے۔“⁶⁴

اللہ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں فرماتا جب تک دلائل وبراہین کے ذریعے اپنی حجت تمام نہ کر دے۔ اس قوم میں شرک کے ساتھ ساتھ مخلوق خدا کے ساتھ زیادتی اور ان کے مالی حقوق پر ڈاکہ ڈالنا و بڑے جرائم تھے جس کے سبب اس قوم پر عذاب مسلط ہوا اور یہ قوم نشانِ عبرت بن گئی۔ ان ہی مغضوب آثار سے مفسرین نے استشاد کیا ہے۔

”اس قوم میں دو بڑی خرابیاں تھیں ایک شرک اور دوسرے کاروبار میں بددیانتی اور حق تلفی، شرک سے اللہ تعالیٰ کے حقوق تلف ہوتے ہیں اور کاروبار میں بددیانتی تمام سماجی اور معاشرتی برائیوں کی جڑ ہے اس کے ہوتے ہوئے کوئی قوم راہِ راست پر نہیں آسکتی۔“⁶⁵

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies:
In the Light of Urdu Exegeses

انہوں نے اپنی اس مرکزیت سے مثبت فائدہ اٹھانے کی بجائے یہ معاشی فساد کا شکار ہو گئے۔ بددیانتی اور کم ماب تول کے جرائم معاشی نظام کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔ انکارِ حق کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کے باب میں انہوں نے یہ معاشی فساد برپا کر دیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد قومِ شعیب کے علاقے کی جغرافیائی اہمیت اور تجارتی مرکز کے پہلو سے آشنا کرتے ہیں۔

”بحرِ قلزم کی جوشاخِ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان گزری ہے اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ تھا۔ چونکہ یہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطہ اتصال تھی، اس لیے اشیائے تجارت کے مبادلہ کی بڑی مندی بن گئی تھی اور لوگ خوشحال ہو گئے تھے۔ اس لیے حضرت شعیب نے کہا: (انی اراکم بخیر) میں تمہیں خوشحال پاتا ہوں۔

لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہو گئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے اور ماب تول کے انصاف سے نا آشنا ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب نے خصوصیت کے ساتھ اس معصیت سے روکا۔“⁶⁶

اسی بات کو صاحبِ تفہیم نے ان کی ایمانی اور تہذیبی فساد کی اساس قرار دیا ہے:

”اس قوم میں دو بڑی خرابیاں پائی جاتی تھیں: ایک شرک، دوسرے تجارتی معاملات میں بددیانتی، اور انہیں دونوں چیزوں کی اصلاح کے لیے حضرت شعیب مبعوث ہوئے تھے۔“⁶⁷

ان فاسد معاملات کے بعد اللہ نے اس تہذیب کو ختم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس قوم کے آثارِ باقیہ اب بھی انسانیت کو عبرت دلاتے ہیں۔ اور مفسرین ان آثار سے جا بجا استنباد کرتے دکھائی دیتے ہیں:

”سورہ اعراف اور عنکبوت میں ہے کہ انہیں ”رجفہ“ یعنی زلزلے نے آدیا اس لیے اغلب یہ ہے کہ پہلے صیمہ (چنگھاڑ) یا سخت چیخ بلند ہوئی ہوگی اور پھر زلزلہ آیا ہوگا۔ آج بھی مدین کے علاقے میں سینکڑوں میل تک جو پہاڑ پائے جاتے ہیں ان پر زلزلے کے آثار ہیں تمام پہاڑ اس طرح سے پھٹے ہوئے ہیں جیسے کسی زبردست زلزلے نے انہیں کھیل کھیل کر دیا ہو۔“⁶⁸

یعنی زلزلے کی تباہی نے پہاڑوں میں بڑی بڑی دراڑیں ڈال کر گویا ان کو چیر پھاڑ دیا تھا۔ یہ آثارِ باقیہ انسان کو دھلا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس عذاب کے صدیوں بعد دیگر اقوام میں یہ قہر الہی بطور مثال مشہور ہو گیا۔ سید مودودی صحفِ قدیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”مدین کی یہ تباہی مدت ہائے دراز تک آس پاس کی قوموں میں ضرب المثل رہی ہے، چنانچہ زبورِ داؤد میں ایک جگہ آتا ہے کہ اے خدا فلاں فلاں قوموں نے تیرے خلاف عہد باندھ لیا ہے لہذا تو ان کے ساتھ وہی کر جو تو نے مدین کے ساتھ کیا (83-95) اور یسعیاہ نبی ایک جگہ بنی اسرائیل کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آشور والوں سے نہ ڈرو، اگرچہ وہ تمہارے لیے مصریوں کی طرح ظالم بنے جارہے ہیں۔ لیکن کچھ دیر نہ گزرے گی کہ رب الافواج ان پر اپنا کوڑا برسائے گا اور ان کا وہی حشر ہوگا جو مدین کا ہوا۔“ (یسعیاہ: 10-21 تا 26)۔“⁶⁹

یہ مقامات اب بھی مرقعِ عبرت ہیں۔ ان کا ہر کو نہ عبرت کی داستانوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ایسے مقامات پر حصولِ عبرت کے لیے جانِ قرآنی تلقین ہے تاکہ اقوامِ سابقہ کے انجام کو دیکھ کر اپنے معاملات کو درست کیا جاسکے۔ اس لیے بھی کہ قرآن کا یہ حکم ہے کہ ان جگہوں سے نتائجِ عبرت اخذ کیے جائیں۔ مولانا سرفراز صفدر صاحب اس قرآنی تلقین کی توضیح میں لکھتے ہیں:

”ان نافرمان قوموں کے انجام اور حشر کو دیکھنے کے لیے زمین پر چلو پھرو۔“⁷⁰

اور ان آثار سے استشاد کر کے قرآن مجید کے پیغام ہدایت کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ ان قوموں کو جو مہلت دیتا ہے وہ کب اور کس طرح ختم ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ پیغمبر وقت کی دعوتی مساعی اور اس کی پذیرائی و عدم پذیرائی کے عمل کا عذاب الہی سے کیا تعلق ہے؟ مولانا شبیر احمد عثمانی اس کا نہایت حکیمانہ اور لطیف جواب دیتے ہیں:

”جب کسی شخص یا جماعت کے راہ راست پر آنے کی طرف سے قطعاً مایوسی ہو جائے اور نبی ان کی استعداد کو پوری طرح جانچ کر یہ سمجھ لے کہ خیر کے نفوذ کی ان میں مطلق گنجائش نہیں بلکہ ان کا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے۔ جو یقیناً باقی جسم کو بھی فاسد اور مسموم کر ڈالے گا تو اس وقت ان کے کاٹ ڈالنے اور صفحہ ہستی سے محو کر دینے کے سوا دوسرا کیا علاج ہے۔“⁷¹

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میں مذکور مغضوب اقوام اسی سبب قہر الہی کا مورد بنیں جب انہوں نے انکار حق کا ہر انداز اختیار کر لیا، اور قبول حق کی استعداد اپنے ہاتھوں ضائع کر دی، تب ان پر اللہ کا فیصلہ بصورت عذاب نافذ ہو گیا۔

خلاصہ استشہاد:

اردو کے تفسیری ادب میں مغضوب اقوام کے ان آثار سے بقدر ضرورت استشاد کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام کو ان آثار باقیہ سے متعلق کوئی مستند آرکیالوجیکل معلومات ملیں تو وہ انہیں اپنی تفاسیر کا حصہ بناتے ہیں اور علم الآثار کی جدید تحقیقات سے استشاد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ آج کے دور میں آرکیالوجی ایک باقاعدہ سائنس کا درجہ اختیار کر چکی ہے اس لیے اس کی تحقیقات اور آرکیالوجیکل موجدات سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں رہا۔ اور ایسے مباحث میں علم الآثار ایک خادم قرآن کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس استشاد کی بدولت ان قرآنی مقامات کی بہترین تفسیر میسر آگئی ہے۔ اور مفسرین نے آرکیالوجی کے ذریعے نصیحت و عبرت اور بصائر و بینات کے پہلو کھول کر انسانیت کے سامنے رکھ دیے ہیں۔ فَاَعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ⁷²

References

1- صحیح بخاری، باب {وَدَّأُولُوا لَنَا، وَلَئِنْ نَعُوْثُ وَنَعُوْثُ}، حدیث نمبر 4920

Sahih buKhari, bab: wodan wa la suwaa wa la yaghos wa yauoqa, Hadees number:4920

2- قرآن کریم: الأعراف 7: 59-64

Quraan kareem, al aaraf7: 59-64

3- آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور، سن 2، ج 2، ص 250، 249

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies: In the Light of Urdu Exegeses

Azad, Molana Abu Al Kalam, Trjaman ul Quran, Islami academy, urdu bazar, lahore, seen, noon, jeem 2, saud 250, 249

⁴- محمد عبده، مولانا، اشرف الحواشي، ناشران قرآن مجيد وتاجران كتب، ايبك روڈ، نيوانارکلی، لاہور، پاکستان، سن، ص 191

Muhammad Abda, molana, ashraf ul hawashi, nashran e quran mjeed wa tajran kutub, aibak road, new anarkali, lahore, pakistan, seen noon, saud 191

⁵- وحید الدین خان، مولانا تہذیب القرآن، مکتبۃ الرسالہ، نئی دہلی، 2018ء، ص 1102

Waheed ud deen khan, molana, tazkeer ul quran, mktaba al risala, new dehli, 2018, saud 1102

⁶- اشرف الحواشي، ص 272

Ashraf ul hawashi, saud 272

⁷- سر سید احمد خان، وهو اہدیٰ والفرقان، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور، 2010ء، ج 2، ص 168

Sir syed ahmad khan, wa hua alhuda wa al furqan, sir syed research academy, lahore, 2010, jeem 2, saud 168

⁸- قرآن کریم: اعراف: 64:7

Al quran, a raf, 7: 64

⁹- دریاء آبادی، عبدالمجید، مولانا، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی۔ لاہور، 2001ء، ص 339، پیدائش، ج 7، ص 6، ج 7، ص 11:12

Drya abadi, abdul majid, molana, tfseer majdi, taaj company limited, karachi, lahore, 2001, pai daish, jeem 7, saud 6, jeem 7, saud 12, 11, saud 339

¹⁰- حوالہ بالا، ص 339

Hawala bala, saud 339

¹¹- حوالہ بالا، ص 339

Hawala bala, saud 339

¹²- امر تسری، ابو الوفا ثناء اللہ، مولانا، تفسیر ثنائی، ثنائی اکادمی لاہور، پاکستان، سن، ص 270

Amar tasri, abu alwfa sna ullah, molana, tfseer snai, snai academy, lahore, pakistan, seen, noon, saud 270

¹³- مودودی، سید، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1979ء، ج 2، ص 342

Mododi, syed, abu al ali, molana, tfheem al quran, adara, trjaman ul quran, lahore 1979, jeem2, saud342

¹⁴- مفتی محمود، تفسیر محمود، جمعیۃ تبلیغ، لاہور، 2006ء، ج 2، ص 226

Mufti mehmood, tfseer mehmood, jmia publication, lahore, 2006, jeem6, saud 226

¹⁵- قرآن کریم: اعراف: 64:7

Al quran, al araf, 7: 64

- ¹⁶-قرآن کریم: الفجر: 7:89
Al quran, al fajar, 7: 89
- ¹⁷-قرآن کریم: النجم: 50:53
Al quran, al najam, 50: 53
- ¹⁸-اشرف الحواشی، ص 191
Ashraf al hawashi, saud 191
- ¹⁹-قرآن کریم: الاعراف: 69:7
Al quran, al alraaf, 7: 69
- ²⁰-تفهیم القرآن، ج 6، ص 329
Tfheem al quran, jeem 6, saud 329
- ²¹-قرآن کریم: الاعراف: 69:7
Al quran, al araf, 7: 69
- ²²-قرآن کریم: حم السجده: 15:41
Al quran, ha meem sjda, 15: 41
- ²³-تفهیم القرآن، ج 6، ص 329
Tfheem al quan, jeem 6, saud 329
- ²⁴-”وَاذْكُرُوا اٰیَّ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۤءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأْنَا لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مَتَّحِدُونَ مِنْۢكُمْ لِحَاظِ قُصُوْرًاۚ وَتَتَّبِعُونَ الْجِبَالَ يُبَوِّنَا فَاذْكُرُوا اٰلَاءَ اللّٰهِ وَلَا تَتَّخِذُوا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ“ (قرآن کریم: الاعراف: 74:7)
- Waz kro iz jalalakum khulafa min bad aad wa bwa kum fe al arz tankloon min shoona qsooran w tinhatoon al jibal byootan fazkro ila illah wa la ta asso fe al araz mufsdeen
- ²⁵-تفهیم القرآن، ج 2، ص 45
Tfeem al quran, jeem 2, saud 45
- ²⁶-قرآن کریم: الشعراء: 139:26
Al quran, al shura, 139: 26
- ²⁷-وجید الدین خان، مولانا، تذکیر القرآن، مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی، 2018ء، ص 1041
Wheed ud deen, khan, molana, tzkeer al quran, mkataba al rasala, new dehli, 2018, saud 1041
- ²⁸-تفهیم القرآن، ج 2، ص 47
Tfheem al quran, jeem 2, saud 47
- ²⁹-کیلانی، عبدالرحمن، مولانا، تیسیر القرآن، ناشر مکتبۃ السلام سٹریٹ نمبر: 20، وسن پورہ لاہور، 1433ھ، ج 2، ص 71
Keelani, abdur rehamn, molana, taiser al quran, nashir mkataba al salam, streer number 20, wsn pura, lahore, 1433 hjri, jeem 2, saud 71

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies: In the Light of Urdu Exegeses

- ³⁰ - شفیع، محمد، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 2006ء، ج 4، ص 45
Shafee, muhammad mufti, ma arif al quran, adara al ma araf, karachi, 2006, jeem 4, saud 45
- ³¹ - اشرف الحواشی، ص 319
Ashraf alhawashi, saud 319
- ³² - تذکیر القرآن، ص 384
Tazkeer al quran, saud 284
- ³³ - لاہوری، احمد علی، مولانا، ترجمہ قرآن، ناشر انجمن خدام الدین، لاہور، پاکستان، خلاصہ رکوع 6، ص 363
Lahori, ahmad ali, molana, trjama, quran, nashir anjuman khuddam al deen, lahore, pakistan, khulasa rkoo 6, saud 363
- ³⁴ - قرآن کریم: الشعراء: 26: 149
Al quran, al shura, 149: 26
- ³⁵ - اشرف الحواشی، ص 445
Ashraf alhawashi, saud 445
- ³⁶ - تذکیر القرآن، ص 385
Tazkeer al quran, saud 385
- ³⁷ - صوفی، عبدالحمید سواتی، معالم العرفان، ناشر مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج، گوجرانوالہ، 2010ء، ج 19، ص 127
Sufi, abdul hameed swati, ma alim al afran, nashir mktaba droos al quran, farooq ganj, gujranwala, 2010, jeem 19, saud 127
- ³⁸ - تیسیر القرآن، ج 4، ص 508
taiseer al quran, jeem 4, saud 508
- ³⁹ - معالم العرفان، ج 19، ص 126
ma alim al afran, jeem 19, saud 126
- ⁴⁰ - تیسیر القرآن، ج 2، ص 499
Taiseer al quran, jeem 2, saud 499
- ⁴¹ - صحیح بخاری، باب نزول النبی ﷺ، حدیث نمبر: 4419
Saheeh bukhari, baab bazool al nabi SAW, al hajar, hadith number: 4419
- ⁴² - سعیدی، غلام رسول، تفسیر تبیان القرآن، فرید بک سٹال، 38 اردو بازار، لاہور، 2009ء، ج 4، ص 209
Saeedi, ghulam rasool, tfseer tbyan al quran, freed book staal, 38 urdu bazar, lahore 2, 2009, jeem 4, saud 209
- ⁴³ - قرآن کریم: الحجر: 15: 79
Al quran, al hajar, 79: 15

- 44- معالم العرفان، ج 11، ص 415
Ma aalim al arfan, jeem 11, saud 415
- 45- قرآن کریم: اعراف: 74:7
Al quran, al araf, 7: 74
- 46- تفسیر ماجدی، ص 341
Tfseer majdi, saud 341
- 47- تذکیر القرآن، ص 1089
Tzkeer al quran, saud 1089
- 48- قرآن کریم: الحاقہ: 9:69
Al quran al haqa, 9: 69
- 49- قرآن کریم: الحج: 15:74
Al quran, al hajar, 15: 74
- 50- اشرف الحواشی، 319
Ashraf al hawashi, 319
- 51- اصلاحی، امین احسن، مولانا، مبادی تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ج 4، ص 371
Aslahi, ameen ahsan, molana, mbadi tadabr e quran, faran foundation, lahore, 1988, jeem 4, saud 371
- 52- ترجمان القرآن ج 2 ص 366
Trjmaan al quran, jeem 2, saud 366
- 53- تیسیر القرآن، ج 2 ص 497
Taiseer al quran, jeem 2 , saud 497
- 54- مراد آبادی، سید، نعیم الدین، خزائن العرفان، ناشر قدرت اللہ کیمپنی، لاہور، سن، ص 208
Murad a badi, syed, naeem al deen, khazain al alfaan, nashir, qudrat allah company, lahore, seen noon, saud 208
- 55- معارف القرآن، ج 4 ص 655
Ma arif al quran, jeem 4, saud 655
- 56- تبيان القرآن، ج 4، ص 215
tbayan al quran, jeem 4, saud 215
- 57- ترجمان القرآن، ج 3، ص 138، 139
Trjmaan al quran, jeem 3, saud 139, 138
- 58- تفہیم القرآن، ج 3، ص 529
Tfheem al quran, jeem 3, saud 529

Importance of Archaeological Evidence in Quranic Studies: In the Light of Urdu Exegeses

- 59- تفہیم القرآن، ج 3 ص 530
Tfheem al quran, jeem 3, saud 530
- 60- معارف القرآن، ج 5 ص 308
Ma arif al quran, jeem 5, saud 308
- 61- معارف القرآن، ج 5 ص 308
Ma arif al quran, jeem 5, saud 308
- 62- کاندھلوی، شیخ ادريس، معارف القرآن، فريد بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 2001ء، ج 3، ص 158
Kandhlwi, shiekh adrees, ma arif al quran, freed book depot limited, 2001, jeem 3, saud 158
- 63- اشرف الحواشی، ص 319
Asraf al hawashi, saud 319
- 64- تذکیر القرآن، ص 1045
Tazkeer al quran, saud 1045
- 65- اشرف الحواشی، ص 194
Asraf al hawashi, saud 194
- 66- ترجمان القرآن، ج 2، ص 269
Trjmaan al quran, jeem 2, saud 55
- 67- تفہیم القرآن، ج 2، ص 55
Tfheem al quran, jeeem 2, saud 55
- 68- اشرف الحواشی، ص 279
Ashraf al hawashi, saud 279
- 69- تفہیم القرآن، ج 2 ص 58
Tfheem al quran, jeeem 2, saud 58
- 70- صفدر، مولانا سرفراز خان، ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن، لقمان اللہ میر اینڈ برادرز، گوجرانوالہ، 2013ء، ج 6، ص 47
Safdar, molana sarfarz khan, zkheer tul jinnan fe feham al quran, luqman allah meer and brothers, gujranwala, 2013, jeem 6, saud 47
- 71- عثمانی، مولانا شبیر احمد، تفسیر عثمانی، فہد پریس، مدینہ منورہ سعودیہ عربیہ، ص 758
Usmani, molana shbeer ahmad, tfseer usmani, fehd press, madina munawara, saudia arabia, saud 758
- 72- قرآن کریم: الحشر: 2:59
Al quran, al hashar, 2: 59